بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان: حضرت مولانا سعد صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم، بعد نماز فجر،

بمقام بنگلہ والی مسجد نظام الدین دہلی، ۱۳/ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۳/دسمبر ۲۰۱۶ء

میرے محترم بزرگو دوستو عزیزو!

کام کرنے والوں کو اپنے کام پر یقین اور بصیرت کی ضرورت ہے، اگر اس راستہ کی نقل و حرکت پر بصیرت نہ ہوئی تو کام گزرگاہ بن جائے گا، جب اس کام میں لگیں گے اور دیکھیں گے کہ اس میں لگنے سے کیا تجربہ ہوتا ہے اور کیا فائدہ ہوتا ہے، اگر فائدہ محسوس ہوگا تو کریں گے اور اگر فائدہ محسوس نہ ہوگا تو چھوڑ دیں گے اور اگر نکلنے میں ان کو ان کے مزاج کے لوگ ملیں گے تو نکلیں گے اور اگر انکے مزاج کے لوگ نہ ملے تو نہ نکلیں گے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے کام کو اپنی طبیعت کے اعتبار سے کیا اللہ کے امر کے اعتبار سے نہیں کیا، میں ضروری بات عرض کر رہا کہ کام کو اللہ کے امر کے اعتبار سے کرو نہ کہ طبیعت اور مناسبت اور نتائج کو سامنے رکھ کر؛ اس لئے کہ اللہ کے امر کا پورا ہونا اصل ہے نتائج کا حاصل ہونا اصل نہیں ہے، نتائج اللہ تعالی نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں، داعی کے ذمہ محض امر کا پورا کرنا ہے دعوت کے اعتبار سے بھی اور عبادات کے اعتبار سے بھی نتائج اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں، انبیاء کرام اپنے کام کو پورا کرتے ہیں حالات کے مساعد اور حالات کے مخالف ہونے کے باوجود، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ان حالات میں دعوت دینے سے فائدہ ہوگا کہ نقصان۔

یوسف علیہ السلام بڑے سخت حالات میں تھے، تہمت لگی تھی عزیزِ مصر کے گھر سے اور بہت سخت حالات تھے، لیکن دو چیزیں اللہ دیکھنا چاہتے ہیں داعی سے۔

ایک تو یہ کہ حالات میں آکر ہمارے غیر سے مطالبہ تو نہیں کرتا، ایک یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ حالات سے متاثر ہو کر دعوت الی اللہ چھوڑ تو نہیں دیتا، ایک یہ دیکھتے ہیں اللہ انبیاء اکرام علیہم السلام کو کہ یہ حالات سے پریشان ہو کر ہمارے غیر سے مدد تو نہیں چاہتے، دوسرے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ حالات سے متاثر ہو کر دعوت الی اللہ کا عمل چھوڑ تو نہیں دیتے یوسف علیہ السلام نے انتہائی خطرہ کے ماحول میں اور انتہائی چاروں طرف سے ذلت کے ماحول میں، ذلت کا ماحول، خطرے کا ماحول، اس ماحول میں یوسف علیہ السلام نے دونوں کاموں کو مضبوطی سے تھامے رکھا، ایک تو یوسف علیہ السلام جیل کے اندر بھی دعوت دیتے رہے، جیل میں دو قیدی داخل ہوئے دونوں نے یوسف علیہ السلام کو اپنا اپنا خواب سنایا؛ اسلئے کہ داعی جہاں بھی جس حال میں ہوتا ہے وہ اپنے آپکو اللہ کے احکام کا اتنا پابند رکھتا ہے کہ لوگ دیکھ کر ہی سمجھتے ہیں کہ یہ آدمی بھلا آدمی معلوم ہوتا ہے، دیکھتے ہی پہچان گئے دونوں قیدی کہ قید میں جو ہمارے ساتھ آدمی ہے یہ آدمی اچھا معلوم ہوتا ہے، یہی کہا دونوں نے " إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنْ "کہ ہمیں آپ بھلے آدمی معلوم ہوتے ہیں کہ ہمیں ہمارے خواب کی تعبیر بتایئے داعی کا کام یہ ہوتا ہے کہ سائل کو جواب دینے میں دعوت کو مقدم رکھے یہ داعی کا کام ہوتا ہے، یہ نہیں کہ پہلے تو ان کا کام کر دو پھر بعد میں اپنی بات کہدو، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پھر دعوت ضمناً ہو جائے گی سائل کے سوال کا جواب اصل ہو جائے گا۔

یوسف علیہ السلام نے دونوں کے خواب کو سنا اور خواب سننے کے بعد پہلے اللہ کی توحید کی دعوت دی حالانکہ ان کا سوال یہ نہیں تھا ان کا سوال یہ تھا کہ ہمارے یہ خواب ہیں ہمیں ہمارے خواب کی تعبیر بتلا دیجئے یوسف علیہ السلام نے دونوں کے خواب کی تعبیر بعد میں دی ان دونوں کو اللہ کی توحید کی دعوت پہلے دی، یہ خیال نہیں کیا کہ اس وقت جیل میں ہیں حالات سازگار نہیں ہیں، تہمت لگی ہوئی ہے اس وقت اگر کوئی ایسی بات کی ایسا نہ ہو کہ سزا اور سخت ہو جائے یا مقدمہ اور آگے بڑھ جائے بلکہ یوسف نے دونوں قیدیوں کو دعوت دی اور یہ فرمایا کہ اے میرے جیل کے ساتھی یہ بتاؤ کہ ایک خدائے غالب بہتر ہے یا بہت سے معبود بہتر ہیں؟-

دوسری بات یہ ہے کہ پھر یوسف نے پھر ان کو ان کے خواب کی تعبیر بھی بتلا دی اور یہ خیال ہوا کہ ان میں سے ایک آدمی جیل سے رہا ہو کر اور باعزت بری ہو کر بادشاہ کے پاس جائے گا لہٰذا بادشاہ کے پاس یہ پیغام پہونچا دوں (سنو دھیان سے) کہ یوسف علیہ السلام اتنے عرصہ سے جیل میں ہے کچھ اس کے مقدمہ پر غور کر لیا جائے اور اس کو جیل سے رہا کر دیا جائے اللہ کی شان یوسف علیہ السلام کو شیطان نے اللہ کی یاد بھلا دی۔ (تین مرتبہ فرمایا) کہ یوسف علیہ السلام نے جیل سے نکلنے کیلئے ہم سے کیوں نہیں کہا؟

داعی کیلئے یہ دو چیزیں انتہائی ضروری ہیں، انتہائی ضروری کہ جب اس کے راستہ میں کوئی حال آئے تو وہ اپنے حال کو اس سے کہے جس کی طرف سے پیغام لیکر بھیجا ہوا ہے دنیا میں آپ کسی ادنی سے ادنی ملازم کو کسی ادنی سے ادنی کام کیلئے بھیجیں اگر اس کے کام میں کوئی رکاوٹ پیش آئے گی یا اسے کوئی دقت پیش آئے گی تو وہ رجوع کرے گا اور رابطہ کرے گا بھیجنے والے سے، جس نے کام کیلئے بھیجا ہے اس سے ہی رابطہ کرے گا کہ آپ بتائیے کہ میں کیا کروں؟ میرے کام میں رکاوٹ پیش آگئی میں کیا کروں؟ یوسف علیہ السلام نے رہا ہونے والے سے فرمایا "اذکرنی عند ربک" کہ میرا تذکرہ کر دینا بادشاہ کے سامنے "فأنساه الشيطان ذكر ربه" شیطان نے یوسف علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے رب کی یاد بھلا دی اس کے بعد یوسف علیہ السلام عرصہ جیل میں رہے۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ داعی کو اپنی دعوت پر پورا یقین اور بصیرت ہونی چاہئے کیوں کہ اللہ کا امر وہ تو ہر حال میں پورا ہو گا، چاہے حالات تنگی کے ہوں یا فراخی کے ہوں، چاہے حالات صحت کے ہوں یا بیماری کے ہوں، چاہے حالات امن کے ہوں یا خوف کے ہوں، صحابہ کرام نے کوئی حال ایسا نہیں چھوڑا کہ جس میں دعوت نہ دی ہو، اور انبیاء نے کوئی حال ایسا نہیں چھوڑا جس میں دعوت نہ دی ہو، انبیاء ہر حال میں دعوت دیتے تھے کیوں کہ حضرت فرماتے تھے مولانا الیاسؒ کہ کسی بھی حال میں دعوت الی اللہ اور اللہ کے راستہ میں نفر میں کمی کرنا عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے کسی بھی حال میں اللہ کے راستہ کی نقل و حرکت کو چھوڑ دینا عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے۔

اصل میں تم جتنے بھی کام کرنے والو ہو مولانا الیاس کے ملفوظات نہیں پڑھتے اور مولانا الیاسؒ کی دینی دعوت کے پڑھنے کا معمول نہیں ہے یہ سب باتیں تم کو اس لئے غلو معلوم ہوتی ہیں کہ حضرت کے ملفوظات کو یاد نہیں رکھتے، کام کرنے والوں کو چاہئے کہ مولانا الیاسؒ کے ملفوظات اتنے اہتمام سے پڑھا کریں تا کہ کام کی اہمیت اور اللہ کے راستہ کی نقل و حرکت کی عظمت پیدا ہو اسلئے کہ حضرت کو اتنا استحضار تھا قرآنی آیات کا اور حضرت کا استنباط قرآنی آیات سے اتنا قوی تھا کہ بڑے بڑے علماء کی وہاں تک سمجھ اور عقل پہنچتی نہیں تھی۔

میں یہ تیسری ضروری بات عرض کر رہا ہوں تم یہ دیکھو گے کہ اگر کوئی یہ کہدے گا کہ یہ بات یوں نہیں ہونی چاہئے تو تم فوراً چھوڑ دو گے حضرت کے ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت الی اللہ تمام فرائض اور تمام سنتوں اور تمام اللہ کے احکام میں سب سے اونچا حکم رکھتا ہے کیوں کہ دین کے سارے شعبوں کا احیاء دعوت کے فریضہ کے ادا کرنے پر موقوف ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ دین کے

سارے شعبوں کا احیاء دعوت الی اللہ کے فریضہ کی ادائیگی پر موقوف ہے، دعوت کا چھوٹ جانا یہ امت کی گمراہی کا یقینی سبب ہے۔(۳/ مرتبہ فرمایا)

علماء نے لکھا ہے کہ دعوت الی اللہ کا چھوٹ جانا گمراہی کا سبب ہے بلکہ یہاں تک لکھا ہے مفسرین نے کہ موسی علیہ السلام اپنی قوم کو پیچھے چھوڑ کر اللہ کی رضا اور اس کو خوش کرنے کیلئے تنہا عبادت میں مشغول ہو گئے اور قوم پیچھے رہ گئی اللہ نے پوچھا کہ "ماأعجلک عن قومک یاموسی "اے موسی علیہ السلام! تمہیں جلدی میں کس نے ڈال دیا موسی نے عرض کیا کہ وہ لوگ پیچھے رہ گئے میں آپ کو راضی کرنے کیلئے آگے بڑھ گیا۔

(دھیان سے سننا بات کو) اللہ نے فرمایا کہ اے موسی! ہم نے تمہارے پیچھے تمہاری قوم کو فتنہ اور آزمائش میں ڈال دیا، علماء نے لکھا ہے وجہ یہ ہوئی کہ موسی علیہ السلام بجائے قوم کو ساتھ لیکر آنے کے قوم کو چھوڑ کر آگئے ۴۰/ رات موسی نے عبادت میں گزاری اللہ کی شان کہ چھ لاکھ بنی اسرائیل جو سب کے سب ہدایت پر تھے ان میں سے ۵/لاکھ ۸۸/ ہزار چالیس رات کی چھوٹی سے مدت میں گمراہ ہو گئے صرف ۴۰/ رات حضرت موسی علیہ السلام نے دعوت الی اللہ کا کام نہیں کیا میں یہ سمجھ کر کہہ رہا ہوں کہ صرف ۴۰/ رات موسی علیہ السلام نے دعوت کا عمل نہیں کیا ۴۰/ رات موسی علیہ السلام عبادت میں مشغول رہے اور اس ۴۰/ رات کے عرصہ میں ۵/ لاکھ ۸۸/ ہزار بنی اسرائیل سب کے سب بچھڑے کی عبادت پر جمع ہو گئے اور ان سب نے یہ کہا کہ ہم بچھڑے کی عبادت کرتے رہیں گے جب تک موسی واپس نہیں آئیں گے" لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عَاكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوْسٰى "جب تک موسی علیہ السلام واپس نہیں آئیں گے ہم بچھڑے کی عبادت پر جمے رہیں گے، صرف ۱۲۰۰۰/ بارہ ہزار ہدایت پر رہے باقی اکثریت بنی اسرائیل بچھڑے کو معبود بنا کر اس کی عبادت پر جمع ہو گئے (۲)۔

یہ سارے واقعات یہ بتلانے کیلئے ہیں کہ دعوت وعبادت میں تداخل ہے یعنی دعوت دیتے ہوئے عبادت کرو، اس امت کی ذمہ داری یہ ہے کہ قوم کے درمیان رہتے ہوئے ایک ایک فرد کو اللہ کی طرف بلاتے ہوئے عمل کرے؛ کیوں کہ قرآن نے صاف طور پر یہ کہہ دیا کہ اس سے زیادہ پختہ اور اچھا مذہب ہو کس کا سکتا ہے جو دعوت اور عبادت دونوں کو اکٹھا جمع رکھے ؟(۳/ مرتبہ فرمایا)؛ کیوں کہ دعوت کا خاصہ یقین کا پیدا کرنا ہے جس چیز کی طرف تم نکلو گے دعوت دو گے وہ چیز تمہارے اندر باعتبار یقین کے آئے گی جس چیز کی طرف تم دعوت دو گے وہ چیز تمہارے اندر باعتبار یقین کے آئے گی، یہ اصل مقصود ہے دعوت دینے کا، جس میں انفرادی دعوت اصل ہے، انفرادی دعوت میں بڑی بڑی غیبی نصرتیں چھپی ہوئی ہے (۲/ مرتبہ)۔

نوٹ: مذکورہ بالا بیان حضرت مولانا سعد صاحب دامت برکاتہم نے مرکز نظام الدین بنگلہ والی مسجد میں بروز منگل، بتاریخ: ۱۳/ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۳/ دسمبر ۲۰۱۶ء بعد نماز فجر فرمایا، جس کو بلفظہ اوپر نقل کر دیا گیا، قارئین حضرات اصل بیان سے موازنہ کر سکتے ہیں۔

چونکہ بیان میں ذکر کردہ ۲/اہم واقعات بادی النظر میں جمہور مفسرین کی تفاسیر سے علیحدہ نظر آتے ہیں، اس لئے بالترتیب دونوں کے حوالے دو الگ الگ عنوانات کے تحت بیان کئے جاتے ہیں تاکہ دلائل کی روشنی میں کسی نتیجہ پر پہونچنا آسان ہو جائے۔

بیان میں ذکر کردہ حضرت یوسفؑ کے قصہ سے متعلق دلائل درج ذیل ہیں

١.   "فأنساه الشَّيْطَان ذكر ربه" الْأَكْثَرُونَ: مَعْنَاهُ: فأنسى يُوسُف الشَّيْطَان ذكر ربه حَتَّى اسْتَغَاثَ بمخلوق مثله، وهذا قَول ابْن عباس وغيره.وَالْقَوْل الثاني: أن الشيطَان أنسى الرجل الذي خلي من السجْن ذكر يُوسُف لسَيِّده.(تفسير السمعاني٣/ ٣٣)

٢.   "فَأَنْسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ" الكناية في قوله:"فَأَنْسَاهُ" راجعة على يوسف في قول الأكثرين(١٢ التَّفْسِيرُ البَسِيْط/ ١٢٢).

٣.   أنسى يوسف ذكر الله حتى استعان بغيره، ويؤيده قوله عليه الصلاة والسلام: «رحم الله أخي يوسف لو لم يقل: "اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ" لما لبث في السجن سبعاً بعد الخمس». والاستعانة بالعباد في كشف الشدائد وإن كانت محمودةفي الجملة لكنها لاتليق بمنصب الأنبياء، فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ(تفسيرالبيضاوي ٣/ ١٦٥).

٤.   وإنمالبث في السجن بضع سنين، لأنه اعتمد ووثق بالمخلوق، وغفل أن يرفع حاجته إلى الخالق جل وعلا.(صفوة التفاسير ١/ ٤٦٣).

٥.   والفاء للسببية فإن توصيته عليه السلام المتضمنة للاستعانة بغيره سبحانه وتعالى كانت باعثة لما ذكر من إنسائه... واللائق بمناصب الأنبياء عليهم السلام ترك ذلك والأخذ بالعزائم، واختار أبو حيان أن يوسف عليه السلام إنما قال للشرابي ما قال ليتوصل بذلك إلى هداية الملك وإيمانه بالله تعالى كما توصل إلى إيضاح الحق لصاحبيه، وإن ذلك ليس من باب الاستعانة بغيرالله تعالى في تفريج كربه وخلاصه من السجن، ولا يخفى أن ذلك خلاف الظاهر، وموجب للطعن في غير ما خبر ، نعم إنه اللائق بمنصبه عليه الصلاة والسلام ، وجوز بعضهم كون ضمير "أنساه" و" ربه " عائدين على يوسف عليه السلام ، وإنساء الشيطان ليس من الإغواء في شيء بل هو تلك الأولى بالنسبة لمقام الخواص الرافعين للأسباب من البين(روح المعاني٩/ ٢٧-٢٨).

٦.   ففي الدر المنثور (٤/ ٥٤١-٥٤٣) : أخرج ابن أبي الدنيا في كتاب العقوبات وابن جرير والطبراني وابن مردويه عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: لو لم يقل يوسف الكلمة التي قال، ما لبث في السجن طول ما لبث حيث يبتغي الفرج من عند غير الله.

٧.   وأخرج عبد الرزاق وابن جرير وأبوالشيخ عن عكرمة قال قال رسول الله ﷺ: لو لا أنه يعني يوسف قال الكلمة التي قال، ما لبث في السجن طول ما لبث.

٨.   وأخرج ابن المنذر وابن أبي حاتم وابن مردويه عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: رحم الله يوسف لو لم يقل اذكرني عند ربك ما لبث في السجن طول ما لبث.

٩.   وأخرج أحمد في الزهد وابن جرير وابن المنذر وابن أبي حاتم وأبو الشيخ عن الحسن قال ذكر لنا أن نبي الله ﷺ قال: رحم الله يوسف لو لا كلمة مالبث في السجن طول ما لبث قوله"اذكرني عند ربک" ثم بكى الحسن وقال: نحن إذا نزل بنا أمر فزعنا إلي الناس.

١٠. وأخرج ابن جرير وأبو الشيخ عن قتادة قال ذكر لنا أن نبى الله ﷺ قال: لو لا أن يوسف استشفع على ربه ما لبث في السجن طول ما لبث ولكن إنما عقب استشفاعه على ربه.

١١. وأخرج ابن أبي شيبة وعبد الله بن أحمد في زوائد الزهد وابن المنذر وابن أبي حاتم وأبو الشيخ عن أنس قال: أوحي إلي يوسف: من استنقذک من القتل حين هم اخوتک أن يقتلوک قال: أنت يارب قال: فما استنقذک من الجب إذا ألقوک فيه قال: أنت يا رب قال: فمن استنقذک من المرأة اذاهممت بها قال: أنت يارب قال: فما لک نسيتني وذكرت آدميا قال جزعا:وكلمة تكلم بها لساني قال: فوعزتی لأخلدنک في السجن بضع سنين فلبث في السجن بضع سنين.

١٢. وأخرج ابن جرير وابن أبي حاتم وأبو الشيخ عن الحسن قال: لما قال يوسف للساقی: "اذكرني عند ربک" قيل له: يا يوسف،اتخذت من دوني وكيلا، لأ طيلن حبسک فبكى يوسف وقال: يارب تشاغل قلبی من كثرة البلوى فقلت كلمة.

١٣. وأخرج ابن أبي شيبة وابن جرير وابن المنذر وابن أبي حاتم عن مجاهد في قوله تعالى: "وقال للذى أنه ناج" اذكرني عند ربک" قال يوسف للذى نجا من صاحبي السجن: اذكرني للملک فلم يذكره حتى رأى الملک الرؤيا وذلک أن يوسف أنساه الشيطان ذكر ربه وأمره بذكر الملک وابتغاء الفرج من عنده فلبث في السجن بضع سنين عقوبة لقوله:"اذكرني عند ربک".

١٤. وأخرج ابن مردويه عن طريق أبي بكر بن عياش عن الكلبي قال: قال يوسف كلمة واحدة حبس بها سبع سنين قال أبوبكر: وحبس قبل ذلک خمس سنين.

١٥. وأخرج عبد الله ابن أحمد في زوائد الزهد عن عبدالله مؤذن الطائف قال: جاء جبريل إلي يوسف فقال : يا يوسف اشتد عليک الحبس، قال: نعم قال: قل اللهم اجعل لي من كل ما أهمني وكربني من أمر دنياي وأمر آخرتي فرجا ومخرجا وارزقني من حيث لا أحتسب واغفرلي ذنبي وثبت رجائى واقطعه من سواک حتى لا أرجوأحداً غيرک آه.

بیان میں ذکر کردہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے متعلق دلائل حسب ذیل ہیں۔

١ ."قالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ" والمراد بالفتن إما الابتلاء أو الإضلال – يعنى ابتليناهم بإظهار العجل هل يعبدونه أم لا – أو أضللناهم بعبادة العجل، فإن قيل: "فإنّا قد فتنّا" مرتب على قوله "عَجِلْتُ إِلَيك" والتقدير إذا عجلت إلىّ فإنّا

قد فتنّا قومك، وهذا الكلام يقتضى كون العجلة سببا للفتنة إذ الفاء للسببية فما وجه هذه السببية؟ قلت: لعل وجه ذلك أن الأنبياء عليهم السلام أُرسلوا لهداية الخلق بوجهين: ظاهرا بدعوتهم إلى الإسلام وتعليمهم الأحكام، وباطنا بجذبهم إلى الله عما سواه وإفاضة نور الايمان والمعرفة في قلوبهم حتى ينشرح صدورهم للإيمان ويروا الحق حقا والباطل باطلا، ولا يتم ذلك إلا عند كمال توجههم إلى الخلق بشراشرهم. ولما كان عجلة موسى عليه السلام إلى اللهّ تعالى مبنيا على غلبة المحبة والشوق، وسُكر ذلك انقطع عند ذلك توجه باطنه عن الأمة، فحينئذ وقع أمة في الفتنة والضلال.(مظهري:١/ ٤١٧٢).

٢."وَما أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يامُوسى" سؤال عن سبب العجلة يتضمن إنكارها من حيث إنها نقيصة في نفسها انضم إليها إغفال القوم.(تفسيرالبيضاوي٤/ ٣٥).

٣."وَما أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يامُوسى" إعجاله عنهم تقدمه عليهم ، أي أيّ شيء عجّل بك عن قومك، وجعلك تتقدمهم ؟،والمراد الإنكار عليه فى تقدمه عليهم، لأن ذلك يقتضى إغفال أمرهم وعدم العناية بهم، مع أنه مأمور باستصحابهم(تفسير المراغي١٤/ ٣٢٦٩)

٤."فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ" الفاء للسببية، أي بسبب غيبتك وعدم قيامك بحق الرقابة النفسية عليهم التي مكناك منها(زهرة التفاسير٩/ ٤٧٦٦)

٥.إنما أراد الله تعالى بسؤاله عن سبب العجلة، وهوأعلم، أن يعلم موسى أدب السفر، وهوأنه ينبغي تأخّر رئيس القوم عنهم في المسير، ليكون نظره محيطا بطائفته، ونافذاً فيهم، ومهيمنا عليهم، وهذا المعنى لا يحصل في تقدمه عليهم، ألاترى أن الله عزّوجلّ كيف علم هذا الأدب لوطا، فقال: وَاتَّبِعْ أَدْبارَهُمْ[الحجر: ٦٥]، فأمره أن يكون أخيرهم، على أن موسى عليه السلام إنما أغفل هذا الأمر مبادرة إلى رضاء الله عزّ وجلّ، ومسارعة إلى الميعاد(تفسير القاسمي٧/ ١٤٠).

٦. "وما أعجلك (أي شيء)عن قومك يا موسى"فتقدمتهم وخلفتهم وراءك ولم تكن معهم.تفسير طبري:٨/ ١٤٥.

٧. وفي تفسير الرازي ما نصه:وعلى الآية أي "وما أعجلك عن قومك "سؤالات:

السؤال الأول:قوله:" وما أعجلك" استفهام وهو على الله محال.الجواب:أنه إنكار في صيغة الاستفهام ولا امتناع فيه.

السؤال الثاني:أن موسى –عليه السلام –لا يخلو إما أن يقال :إنه كان ممنوعا عن ذلك التقدم أو لم يكن ممنوعا عنه، فإن كان ممنوعا كان ذلك التقدم معصية فيلزم وقوع المعصية من الانبياء، وإن قلنا ما كان ممنوعا كان

ذلك الإنكار غير جائز من الله تعالى. والجواب: لعله -عليه السلام -ما وجد نصا في ذلك إلا أنه باجتهاده تقدم فأخطأ في ذلك الاجتهاد فاستوجب العتاب(التفسير الكبير للرازي:٢٢/ ٩٨).

٨. وفي تفسير القرآن للشيخ محي الدين ابن عربي-رحمه الله - ما نصه: "وماأعجلك عن قومك" --إلى قوله- "وفي اليم نسفا" معناه على التحقيق أن موسى -عليه السلام- لما شُرِّف بمقام المكالمة ،وأوتي كشف الصفات، وبُعث لإنقاذ بني إسرائيل ،وعد شريعة يسوس بها قومه ،فاستخلف هارون -عليه السلام- على قومه ،وتخلى للمراقبة قبل تثبتهم على الإيمان ،وتقريرهم على الحق بالإيقان ،فعوقب على تلك العجلة وإن كانت من غاية الشوق إلى المشاهدة ،واقتضاء المقام عدم التفرغ إلى تكميل الغير؛لان في تكميلهم بالمعرفة اليقينية والكمال العلمي ثبات قدمه في الطاعة وامتثال الأمرالمستلزم للترقي في الحال، فاعتذر بكونهم على متابعته في الدين وإن لم تُبْنَ معاملتهم على أساس اليقين. (تفسير القرآن الكريم لابن العربي:٢/ ٥٥-٥٦ ،ومثله في التحرير والتنوير لابن عاشور:١٦/ ٥٠).

مذکورہ واقعہ سے متعلق اردو کتبِ تفسیر سے دلائل درجِ ذیل ہیں:

"فإنا" میں فاء سببیت کیلئے ہے یعنی اس سے پہلے کا کلام بعد میں آنے والے کلام کا سبب ہے اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ تمہاری جلدی چلے آنے سے قوم گمراہ ہو گئی تمہاری عجلت آمد قوم کی گمراہی کا سبب بن گئی لیکن بظاہر تو موسیٰ علیہ السلام کے پہلے چلے آنے سے قوم گمراہ نہیں ہوئی تھی (کیا موسیٰ اگر جلدی کر کے ۷۰/آدمیوں سے پہلے نہ چلے آتے اور ان کو ساتھ لیکر آتے تو کیا باقی قوم گمراہ نہ ہوتی) میں اس کے جواب میں کہتا ہوں: پیغمبر کی رسالت کے دو مقصد ہیں۔

(۱) وہ لوگوں کو اسلام اور اللہ کے احکام سکھائیں اور تعمیل کی دعوت دیں۔

(۲) لوگوں کو اپنی باطنی کشش کی قوت سے اللہ کی طرف کھینچیں اور ایمان و معرفت کا نور ان کے دلوں میں ڈالیں تاکہ ان کے سینے روشن ہو جائیں اور وہ حق کو حق اور باطل کو باطل جان لیں۔ لیکن انبیاء کے اس فریضہ کی مکمل ادائیگی اسی وقت ممکن ہے جب وہ مخلوق کی طرف کامل طور پر متوجہ ہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بارگاہ الٰہی میں حاضری کا شوق اور ہم کلامی کی محبت کا اس وقت غلبہ تھا اور سکر کی حالت تھی اس لئے ان کی باطنی توجہ امت کی طرف باقی نہیں رہی تھی یہی وجہ تھی کہ بنی اسرائیل فتنہ اور گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔(تفسیر مظہری ۷/۲۵۲)

یہی تفسیر روح المعانی ۱۶/ ۲۴۱ وغیرہ میں بھی موجود ہے اور صراحت ہے کہ ۶/ لاکھ میں سے ۵/ لاکھ ۸۸/ہزار لوگ فتنہ کا شکار ہو گئے۔ صرف ۱۲/ ہزار ثابت قدم رہ سکے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تفسیر میں ہے:"روح المعانی میں بحوالہ کشاف اس سوال کی وجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کی تربیت کے متعلق ایک خاص ہدایت دینا اور ان کی اس عجلت پر تنبیہ کرنا تھا کہ آپ کے منصب رسالت کا تقاضہ یہ تھا کہ قوم کے ساتھ

ان کو اپنی نظر میں رکھتے اور ساتھ لاتے آپ کی عجلت کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ قوم کو سامری نے گمراہ کر دیا اسمیں خود فعل عجلت کی مذمت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ شان انبیاء کی نہ ہونی چاہئے''۔(معارف القرآن: ۱۷۴/۵ مطبع اشرفی)۔

''**وما اعجلک عن قومک**''مقصد اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ آپ کے منصبِ رسالت کا تقاضہ یہ تھا کہ آپ قوم کے ساتھ رہتے اور ان پر نظر رکھتے آپ کی عجلت کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم کو سامری نے گمراہ کر دیا''۔(جمالین ۲۰۲/۴)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیافرماتے ہیں مفتی صاحب مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مشہور عالم دین حضرت مولانا سعد صاحب نے آیت قرآنی ''ولذکر اللّٰہ أکبر '' کی تفسیر ''ولذکر اللّٰہ ایانا أکبر''(اللہ کا بندے کو یاد کرنا بڑی بات ہے) سے فرمائی ہے،لیکن بعض حضرات اس تفسیر کو تفسیر بالرائے پر محمول کرتے ہوئے حضرت موصوف کو خارق اجماع جمہور مفسرین شمار کرتے ہیں، جبکہ مذکورہ تفسیر احادیث اور تفسیر کی بہت سی کتابوں سے مؤید ہے ذیل میں ان مفسرین کی عبارات مع حوالوں کے پیش کی جاتی ہے جن سے مذکورہ تفسیر منقول ہے۔

أخرج ابن جرير في تفسيره بسنده (۲۰/۱۵٦)عن عبداللّٰه بن ربيعة قال قال لي ابن عباس: هل تدرى ما قوله ولذكر اللّٰه أكبر ، قال قلت: نعم قال: فما هو؟ قال قلت: التسبيح والتحميد والتكبير في الصلاة وقراءة القرآن ونحو ذلك، قال لقد قلت قولا عجيبا وماهو كذلك ولكنه انما يقول: ذكر اللّٰه اياكم عند ما أمر به أو نهى عنه اذا ذكرتموه أكبر من ذكركم اياه.

وفي رواية أخرى : لقد قلت قولا عجيبا وما هو كما قالت ولكن ذكر اللّٰه اياكم أكبر من ذكركم اياه،

وفي رواية ذكر الله للعبد أفضل من ذكره اياه وفي أخرى ولذكرالله لعباده اذا ذكروه أكبر من ذكركم اياه وفي رواية عنه قال: هو كقوله''أذكركم'' فذكر اللّٰه اياكم أكبر من ذكركم اياه ، هذه الروايات والروايات الأخرى كلها عن ابن عباس رواه عنه عدة تلاميذه.

وأخرج ابن جرير أيضا (۲۰/ ۱۵۷) بسنده عن ابن مسعود ''ولذكراللّٰه أكبر '' قال:ذكرالله العبد أكبر من ذكر العبد لربه وأخرج أيضا بسنده سلمان الفارسیؓ ولذكرالله أكبر قال: ذكر اللّٰه اياكم أكبر من ذكركم اياه وهكذا رواه ابن جرير عن أبي الدرداء عن عكرمة وعطية ومجاهد وأبي قرة وشعبة، وهكذا رواه عن ابن عباس ابنُ المنذر وابن أبي حاتم والفريابي وسعيد بن منصور والحكم وصححه البيهقي في شعب الايمان ، ورواية ابن مسعود أخرجها سوى ابن جرير ابن أبي شيبة وعبداللّٰه بن أحمد بن حنبل في زوائد الزهد ، وتفسير عطية رواه ابن أبي الدنيا والبيهقي أيضا، وتفسير مجاهد رواه عبد بن حميد وابن المنذر وابن أبي حاتم أيضا، وروى هذا التفسير ابن السني وابن مردويه والديلمي عن ابن عمر أيضا، ورواه عبد بن حميد عن الحسن أيضا كما في الدر المنثور (٦/٤٦٦.٤٦٧).وروى تفسير ابن عباس عبد الرزاق أيضا في تفسيره (۹/۳).

دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو تفسیر صحابہ میں سے ابن مسعودؓ، ابودرداءؓ، سلمان فارسیؓ اور ابن عمرؓ سے اور تابعین میں سے عکرمہ، مجاہد، حسن بصری، ابوقرہ اور عطیہ سے اوران کے بعد والوں سے بھی منقول ہو اور جو تفسیر کی دسیوں کتابوں میں موجود ہو اور پچاسوں راویوں نے اس کو نقل کیا ہو وہ بھی اگر تفسیر بالرائے ہے تو تفسیر ماثور کسے کہیں گے؟

آیا واقعی مذکورہ تفسیر خرق اجماع تفسیر ہے؟ یا اس کو تفسیر شاذ کہہ کر مسترد کرنے کی گنجائش ہے؟ ہم لوگ اس مسئلہ میں انتہائی پریشان ہیں، تشفی بخش جواب مرحمت فرما کر تسکین قلب کا سامان فراہم فرمائیں۔

المستفتی:

(مفتی) محمد سلیمان قاسمی ناہل ضلع غازی آباد

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں مفتی صاحب مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضرت مولانا سعد صاحب نے آیت قرآنی "**فاذا قضیت الصلاۃ فانتشروا فی الأرض وابتغوا من فضل اللّٰہ**" میں "**فضل اللّٰہ**" کی تفسیر گشت، ملاقات اور حلقات علم وایمان سے فرمائی ہے، جس پر بعض حضرات نے مذکورہ تفسیر کو غلو پسندی اور تفسیر میں رائے زنی پر محمول کرتے ہوئے اس کو تفسیر ہونے سے بالکل ہی خارج کر دیا۔

جب کہ حدیث مرفوع میں آیت مذکورہ کی درج ذیل تفسیر منقول ہے:

فقد أخرج ابن جریر (۲۸/۱۰۳) من حدیث انس﷜ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ فی قولہ تعالی "فاذا قضیت الصلاۃ فانتشروا فی الأرض وابتغوا من فضل اللّٰہ" قال لیس لطلب دنیا ولکن عیادۃ مریض وحضور جنازۃ وزیارۃ أخ فی اللّٰہ

تو زیارۃ اخ فی اللہ کا ترجمہ گشت وملاقات سے کرنے میں کیا حرج ہے؟ اور آپ ﷺ کی تفسیر سے اچھی تفسیر کیا ہوگی اور بعینہ یہی تفسیر امام المفسرین حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے۔

ففی الدر المنثور (۸/۱۶۵): وأخرج ابن مردویہ عن ابن عباس فی قولہ تعالی "فاذا قضیتم الصلاۃ فانتشروا فی الأرض وابتغوا من فضل اللّٰہ" قال لم یؤمروا بشیء من طلب الدنیا انما ھو عیادۃ مریض وحضور جنازۃ وزیارۃ أخ فی اللّٰہ.

اب اس میں تفسیر بالرائے کی گنجائش کہاں بچی؟ نیز روح المعانی میں حلقات علم وایمان سے بھی اس کی تفسیر کی گئی ہے۔

عن أبی امامۃ أن النبی ﷺ قال: من صلی الجمعۃ فصام یومہ وعاد مریضا وشھد نکاحا وجبت لہ الجنۃ"

اس سے معلوم ہوا کہ فضل اللہ سے اعمال صالحہ مراد ہے نہ کہ دنیوی فضل، مزید برآں یہ کہ آیت کا اگلا جملہ "**واذکروا اللّٰہ کثیرا لعلکم تفلحون**" بھی اس کا واضح قرینہ ہے۔

نیز اس جملہ سے یہ بات بھی واضح ہوگئی ہے کہ "**زیارۃ أخ فی اللّٰہ**" سے رواجی ملاقات مراد نہیں بلکہ وہ ملاقات مراد ہے جو کہ یاد الٰہی میں مدد ومعاون ہو اور اہل تبلیغ حضرات کا گشت، ملاقات کرنا خالصۃ لوجہ اللہ اور لوگوں کے دلوں میں اللہ کی یاد پیدا کرنے اور ان کو اعمال صالحہ کا شوق دلانے کیلئے ہی ہوتا ہے۔

نیز قرآن وسنت میں اور بھی بہت سی جگہ "**فضل اللّٰہ**" سے اعمال صالحہ اور توفیق خیر مراد لیا گیا ہے، مثال کے طور پر ان میں سے چند کو پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) ولو لا فضل اللّٰہ علیکم ورحمتہ لا تبعتم الشیطان الا قلیلا.

(۲) ولو لا فضل اللّٰہ علیک ورحمتہ لھمت طائفۃ منھم أن یضلوک.

(۳) وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللّٰہ علیک عظیما.

مفتی صاحب سے درخواست ہے کہ اس ساری تفصیل کے پیش نظر آیت مذکورہ کی تفسیر گشت ملاقات اور حلقات علم وایمان سے فرمانا آیا تفسیر بالرائے اور جمہور مفسرین کی آراء وتفاسیر سے ہٹ کر الگ راہ اپنانا ہے؟ یا اس کو تفسیرات شاذہ میں داخل کر کے رد کرنے کی گنجائش ہے؟ واضح اور تشفی بخش جواب عنایت فرما کر ہمارے اضطراب وبے چینی کو دور کر کے عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی:

(مفتی) محمد سلیمان قاسمی ناہل ضلع غازی آباد

☆☆☆

بسم اللہ الرّحمن الرّحیم

کیا فرماتے ہیں حضرت مفتی صاحب مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت مولانا سعد صاحب دامت برکاتہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے ذیل میں یہ بیان فرمایا ہے: کہ موسیٰ علیہ السلام کے قوم کی گمراہی کی وجہ یہ ہوئی کہ کوہِ طور پر موسیٰ علیہ السلام بجائے قوم کو ساتھ لیکر جانے کے اکیلے چلے گئے، ۴۰/رات موسیٰ علیہ السلام نے عبادت میں گزاری جس کی وجہ سے چھ لاکھ بنی اسرائیل جو سب کے سب ہدایت پر تھے ان میں سے ۵/لاکھ ۸۸/ہزار چالیس رات کی چھوٹی سی مدت میں گمراہ ہوگئے۔

واقعہ سے متعلق عربی کتب تفاسیر سے دلائل ذیل میں منقول ہیں:

٨. "قالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ" والمراد بالفتن إما الابتلاء أو الإضلال - يعنى ابتليناهم بإظهار العجل هل يعبدونه أم لا، أو أضللناهم بعبادة العجل-. فإن قيل: "فإنّا قد فتنّا" مرتب على قوله "عَجِلْتُ إِلَيك" والتقدير إذا عجلت إليّ فإنّا قد فتنّا قومك، وهذا الكلام يقتضى كون العجلة سببا للفتنة إذ الفاء للسببية فما وجه هذه السببية؟ قلت: لعل وجه ذلك أن الأنبياء عليهم السلام أُرسلوا لهداية الخلق بوجهين: ظاهرا بدعوتهم إلى الإسلام وتعليمهم الأحكام، وباطنا بجذبهم إلى الله عما سواه وإفاضة نور الايمان والمعرفة في قلوبهم حتى ينشرح صدورهم للإيمان ويروا الحق حقا والباطل باطلا، ولا يتم ذلك إلا عند كمال توجهم إلى الخلق بشراشرهم. ولما كان عجلة موسى عليه السلام إلى اللهّ تعالى مبنيا على غلبة المحبة والشوق، وسُكر ذلك انقطع عند ذلك توجه باطنه عن الأمة، فحينئذ وقع أمة في الفتنة والضلال.(مظهري:١/ ٤١٧٢).

٩. "وَما أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يامُوسى" سؤال عن سبب العجلة يتضمن إنكارها من حيث إنها نقيصة في نفسها انضم إليها إغفال القوم(تفسيرالبيضاوي٤/ ٣٥).

١٠. "وَما أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يامُوسى" إعجاله عنهم تقدمه عليهم ، أي أيّ شيء عجّل بك عن قومك، وجعلك تتقدمهم ؟،والمراد الإنكار عليه فى تقدمه عليهم، لأن ذلك يقتضى إغفال أمرهم وعدم العناية بهم، مع أنه مأمور باستصحابهم(تفسير المراغي١٤/ ٣٢٦٩).

١١. "فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ" الفاء للسببية، أي بسبب غيبتك وعدم قيامك بحق الرقابة النفسية عليهم التي مكناك منها(زهرة التفاسير٩/ ٤٧٦٦).

١٢. إنما أراد الله تعالى بسؤاله عن سبب العجلة، وهوأعلم، أن يعلم موسى أدب السفر، وهوأنه ينبغي تأخّر رئيس القوم عنهم في المسير، ليكون نظره محيطا بطائفته، ونافذاً فيهم، ومهيمنا عليهم، وهذا المعنى لا يحصل في تقدمه عليهم، ألاترى أن الله عزّوجلّ كيف علم هذا الأدب لوطا، فقال: وَاتَّبِعْ أَدْبارَهُمْ[الحجر:

٦٥]، فأمره أن يكون أخيرهم، على أن موسى عليه السلام إنما أغفل هذا الأمر مبادرة إلى رضاء الله عزّ وجلّ، ومسارعة إلى الميعاد(تفسير القاسمي٧/ ١٤٠).

١٣. "وما أعجلك (أي شيء)عن قومك يا موسى"فتقدمتهم وخلفتهم وراءك ولم تكن معهم.تفسير طبري:٨/ ١٤٥.

١٤. وفي تفسير الرازي ما نصه:وعلى الآية أي "وما أعجلك عن قومك "سؤالات:

السؤال الأول:قوله:" وما أعجلك" استفهام وهو على الله محال.الجواب:أنه إنكار في صيغة الاستفهام ولا امتناع فيه.

السؤال الثاني:أن موسى –عليه السلام –لا يخلو إما أن يقال :إنه كان ممنوعا عن ذلك التقدم أو لم يكن ممنوعا عنه، فإن كان ممنوعا كان ذلك التقدم معصية فيلزم وقوع المعصية من الانبياء، وإن قلنا ما كان ممنوعا كان ذلك الإنكار غير جائز من الله تعالى. والجواب: لعله –عليه السلام –ما وجد نصا في ذلك إلا أنه باجتهاده تقدم فأخطأ في ذلك الاجتهاد فاستوجب العتاب(التفسير الكبير للرازي:٢٢/ ٩٨).

٨. وفي تفسير القرآن للشيخ محي الدين ابن عربي–رحمه الله – ما نصه: "وماأعجلك عن قومك" ––إلى قوله– "وفي اليم نسفا" معناه على التحقيق أن موسى –عليه السلام– لما شُرِّف بمقام المكالمة ،وأوتي كشف الصفات، وبُعث لإنقاذ بني إسرائيل ،وعد شريعة يسوس بها قومه ،فاستخلف هارون –عليه السلام– على قومه ،وتخلى للمراقبة قبل تثبتهم على الإيمان ،وتقريرهم على الحق بالإيقان ،فعوقب على تلك العجلة وإن كانت من غاية الشوق إلى المشاهدة ،واقتضاء المقام عدم التفرغ إلى تكميل الغير؛لان في تكميلهم بالمعرفة اليقينية والكمال العلمي ثبات قدمه في الطاعة وامتثال الأمرالمستلزم للترقي في الحال، فاعتذر بكونهم على متابعته في الدين وإن لم تُبْنَ معاملتهم على أساس اليقين. (تفسير القرآن الكريم لابن العربي:٢/ ٥٥–٥٦،ومثله في التحرير والتنوير لابن عاشور:١٦/ ٥٠).

واقعہ سے متعلق اردو کتبِ تفاسیر سے دلائل درجِ ذیل ہیں:

"فإنا" میں فاء سببیت کیلئے ہے یعنی اس سے پہلے کا کلام بعد میں آنے والے کلام کا سبب ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تمہاری جلدی چلے آنے سے قوم گمراہ ہوگئی تمہاری عجلت آمد قوم کی گمراہی کا سبب بن گئی لیکن بظاہر تو موسیٰ علیہ السلام کے پہلے چلے آنے سے قوم گمراہ نہیں ہوئی تھی (کیا موسیٰ اگر جلدی کر کے ۷۰/آدمیوں سے پہلے نہ چلے آتے اور ان کو ساتھ لیکر آتے تو کیا باقی قوم گمراہ نہ ہوتی) میں اس کے جواب میں کہتا ہوں: پیغمبر کی رسالت کے دو مقصد ہیں۔

(۱) وہ لوگوں کو اسلام اور اللہ کے احکام سکھائیں اور تعمیل کی دعوت دیں۔

(۲) لوگوں کو اپنی باطنی کشش کی قوت سے اللہ کی طرف کھینچیں اور ایمان و معرفت کا نور ان کے دلوں میں ڈالیں تاکہ ان کے سینے روشن ہو جائیں اور وہ حق کو حق اور باطل کو باطل جان لیں۔ لیکن انبیاء کے اس فریضہ کی مکمل ادائیگی اسی وقت ممکن ہے جب وہ مخلوق کی طرف کامل طور پر متوجہ ہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بارگاہ الٰہی میں حاضری کا شوق اور ہم کلامی کی محبت کا اس وقت غلبہ تھا اور سکر کی حالت تھی اس لئے ان کی باطنی توجہ امت کی طرف باقی نہیں رہی تھی یہی وجہ تھی کہ بنی اسرائیل فتنہ اور گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔(تفسیر مظہری ۲۵۲/۷).

یہی تفسیر روح المعانی ۱۶/ ۲۴۱ وغیرہ میں بھی موجود ہے اور صراحت ہے کہ ۶/ لاکھ میں سے ۵/ لاکھ ۸۸/ہزار لوگ فتنہ کا شکار ہو گئے۔ صرف ۱۲/ ہزار ثابت قدم رہ سکے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ؒ کی تفسیر میں ہے: ''آپ کے منصب رسالت کا تقاضہ یہ تھا کہ قوم کے ساتھ ان کو اپنی نظر میں رکھتے اور ساتھ لاتے آپ کی عجلت کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ قوم کو سامری نے گمراہ کر دیا''۔(معارف القرآن: ۶/ ۱۳۴).

"وما أعجلک عن قومک" مقصد اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ آپ کے منصبِ رسالت کا تقاضہ یہ تھا کہ آپ قوم کے ساتھ رہتے اور ان پر نظر رکھتے آپ کی عجلت کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم کو سامری نے گمراہ کر دیا''۔(جمالین ۲۰۲/۴).

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان سب دلائل کے باوجود مذکورہ تفسیر کو تفسیر بالرائے، غلط یا مرجوح تفسیر کہہ کر رد کرنے کی گنجائش ہے؟ نیز مذکورہ تفسیر کی وجہ سے حضرت موصوف کو جمہور اہلسنت سے خارج قرار دیا جا سکتا ہے؟

خدارا! تشفی بخش جواب مرحمت فرما کر امت مسلمہ کے مضطرب دلوں کی تسکین کا سامان فراہم فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی:

عبد السلام قاسمی غازی آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں مفتی صاحب مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ آیت قرآنی "أذکرنی عند ربک فأنساہ الشیطن ذکر ربه فلبث فی السجن بضع سنین" اسکی تفسیر میں مولانا سعد صاحب نے یہ فرمایا: کہ مدت قید کے دراز ہونے کا سبب بادشاہ کے یہاں عرضی لگوانا بنا کہ یوسفؑ کی شان نبوت اس سے بہت بلندتر ہے کہ غیر اللہ سے ذرا سی بھی امید رکھی جائے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر ماثور عرض خدمت ہے۔

ففی الدر المنثور (٤/٥٤١-٥٤٣) : أخرج ابن أبی الدنیا فی کتاب العقوبات وابن جریر والطبرانی وابن مردویه عن ابن عباسؓ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: لو لم یقل یوسف الکلمة التی قال، ما لبث فی السجن طول ما لبث حیث یبتغی الفرج من عند غیر اللّٰه.

وأخرج عبد الرزاق وابن جریر وأبو الشیخ عن عکرمة قال قال رسول اللّٰه ﷺ: لو لا أنه یعنی یوسف قال الکلمة التی قال، ما لبث فی السجن طول ما لبث.

وأخرج ابن المنذر وابن أبی حاتم وابن مردویه عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: رحم اللّٰه یوسف لو لم یقل: "اذکرنی عند ربک" مالبث فی السجن طول ما لبث.

وأخرج أحمد فی الزهد وابن جریر وابن المنذر وابن أبی حاتم وأبو الشیخ عن الحسن قال ذکر لنا أن نبی اللّٰه ﷺ قال: رحم اللّٰه یوسف لو لا کلمة مالبث فی السجن طول ما لبث قوله "اذکرنی عند ربک" ثم بکی الحسن وقال: نحن اذا نزل بنا أمر فزعنا الی الناس.

وأخرج ابن جریر وأبو الشیخ عن قتادة قال ذکر لنا أن نبی اللّٰه ﷺ قال: لو لا أن یوسف استشفع علی ربه ما لبث فی السجن طول ما لبث ولکن انما عقب استشفاعه علی ربه.

وأخرج ابن أبی شیبة وعبد اللّٰه بن أحمد فی زوائد الزهد وابن المنذر وابن أبی حاتم وأبو الشیخ عن انس قال: أوحی الی یوسف: من استنقذک من القتل حین هم اخوتک أن یقتلوک قال: أنت یارب قال: فما استنقذک من الجب اذا ألقوک فیه قال: أنت یا رب قال: فمن استنقذک من المرأة اذا هممت بها قال: أنت یارب قال: فما لک نسیتنی وذکرت آدمیا قال جزعا:وکلمة تکلم بها لسانی قال: فوعزتی لأخلدنک فی السجن بضع سنین فلبث فی السجن بضع سنین.

وأخرج ابن جریر وابن أبی حاتم وأبو الشیخ عن الحسن قال: لما قال یوسف للساقی: "اذکرنی عند ربک" قیل له: یا یوسف،اتخذت من دونی وکیلا، لأ طیلن حبسک فبکی یوسفؑ وقال: یارب تشاغل قلبی من کثرة البلوی فقلت کلمة.

وأخرج ابن أبی شیبة وابن جریر وابن المنذر وابن أبی حاتم عن مجاهد فی قوله تعالی: "وقال للذی أنه ناج" اذکرنی عند ربک " قال یوسف للذی نجا من صاحبی السجن: اذکرنی للملک فلم یذکره حتی رأی الملک الرؤیا وذلک أن یوسف أنساه الشیطان ذکر ربه وأمره بذکر الملک وابتغاء الفرج من عنده فلبث فی السجن بضع سنین عقوبة لقوله:"اذکرنی عند ربک"

وأخرج ابن مردویه عن طریق أبی بکر بن عیاش عن الکلبی قال: قال یوسف کلمة واحدة حبس بها سبع سنین قال أبوبکر: وحبس قبل ذلک خمس سنین .

وأخرج عبد اللّٰه ابن أحمد في زوائد الزهد عن عبداللّٰه مؤذن الطائف قال: جاء جبريلؑ الى يوسفؑ فقال: يا يوسف اشتد عليک الحبس، قال: نعم قال: قل اللّٰهم اجعل لي من كل ما أهمني وكربني من أمر دنياي وأمر آخرتي فرجا ومخرجا وارزقني من حيث لا أحتسب واغفرلي ذنبي وثبت رجائي واقطعه من سواک حتی لا أرجو أحداً غيرک آه.

توجس کوتفسیر بالرائے کہاجارہاہے تفسیر ماثور میں یہ تفسیر مذکور ہے کیوں کہ مذکورہ بالا پورا کلام ''الدر المنثور في التفسير الماثور'' سے ماخوذ ہے جس میں صرف تفسیر ماثور کوجمع کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوگیا کہ مذکورہ تفسیر آپ ﷺ سے شہرت کے درجہ تک پہنچ چکی ہے بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس تفسیر پر سلف کا اجماع ہے بلکہ امام مجاہد نے تو جیسا کہ ان سے اوپر نقل کیا گیا حد ہی کردی کہ ''أنساه الشيطان''، میں ضمیر کا مرجع یوسفؑ کو بنا کر مذکورہ تفسیر قرآن کی عبارۃ النص سے ثابت کردی اور ابن جریر طبری نے بھی یہی تفسیر کی ہے

فقال في تفسيره (۱۲/ ۲۲۲): قوله: ''فأنساه الشيطان ذكر ربه''هذا خبر من اللّٰه جلّ ثناؤه عن غفلة عرضت ليوسف من قبل الشيطن نسي لها ذكر ربه الذي لو به استغاثه لأسرع بما هو فيه خلاصه ولكنه زل بها فاطال من أجلها في السجن حبسه وأوجع لها عقوبته. آه.

البتہ ابن جریر نے (۱۲/۲۲٤) محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ ان کی رائے یہ ہے کہ ''أنساه''، کے ضمیر کا مرجع ساقی ہے لیکن اس رائے کو انہوں نے بطور مرجوح کے پیش کیا ہے۔

مفتی صاحب سے دریافت یہ کرنا ہے کہ مذکورہ تفسیر کے اس درجہ ثبوت کے بعد اب کسی قسم کے اشکال کی گنجائش ہے؟ آیا اس کو قرآن وسنت اجماع وقیاس اور متداول کتب تفاسیر کے مخالف ومعارض قرار دے کر اس میں ردوقدح کی اجازت ہے؟ تشفی بخش جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی:

(مفتی) محمد سلیمان قاسمی ناہل ضلع غازی آباد

☆☆☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں مفتی صاحب مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ آیت قرآنی "وأنفقوا فی سبیل اللّٰہ ولا تلقوا بأیدیکم الی التھلکۃ" مولانا نے فرمایا کہ یہاں پر کارخیر میں خرچ کرنا نہیں بلکہ خاص احیاء دین متین کیلئے کوشش کرنا اوراس میں خرچ کرنا مراد ہے، اس تفسیر کو بعض احباب نے تفسیر بالرائے اور تفسیر میں ذاتی مداخلت قرار دے کر دائرہ تفسیر سے بالکل خارج کر دیا جب کہ اسکی تائید درجہ ذیل تفسیروں سے ہوتی ہے۔

أخرج ابن جرير الطبری (٢٠٤/٢) من طريق اسلم أبی عمران قال كنا بالقسطنطنية وعلى أهل مصر عقبة بن عامر وعلى أهل الشام فضالة ابن عبيد فخرج من المدينة صف عظيم من الروم قال: وصففنا صفا عظيما من المسلمين فحمل رجل من المسلمين على صف الروم حتى دخل فيهم ثم خرج البناء مقبلا فصاح الناس وقالوا: سبحان اللّٰه القى بيده الى التهلكة فقام أبو ايوب الانصارى صاحب رسول اللّٰه ﷺ فقال: يا ايها الناس انكم تتاولون هذه الآية على هذ التأويل وانما أنزلت هذه الآية فينا معاشر الانصار، انا لما أعز اللّٰه دينه وكثر ناصر به قلنا فيما بيننا بعضنا لبعض سرا من رسول اللّٰه ﷺ ان أموالنا قد ضاعت فلو انا اقمنا فيها فاصلحنا ما ضاع منها فانزل اللّٰه فی كتابه يرد علينا مايرد علينا ما هممنا به فقال "وانفقوا فی سبيل اللّٰه ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة" بالاقامة التی اردنا ان نقيم فی الاموال ونصلحنا فامرنا بالغزو فمازال أبو ايوب غازيا فی سبيل اللّٰه حتى قبضه اللّٰه .اه.وهذا الحديث رواه أيضا سوى ابن جرير عبد بن حميد وأبو داود والترمذی وصححه والنسائی وأبو يعلى وابن المنذر وابن أبی حاتم وابن حبان والحاكم وصححه والطبرانی وابن ردوية والبيهقی فی سننه كما فی الدر المنثور (٥٠٠/١)

وأخرج ابن جرير (٢٠٠/٢) عن حذيفة قال: قال لا يقولن احدكم: انی لا أجد شيئا ان لم يجد الا مشقصا فليتجهز به فی سبيل اللّٰه .وعن عكرمة قال: نزلت فی النفقات فی سبيل اللّٰه.وعن الحسن: انهم كانوا يسافرون ويغزون ولا ينفقون من اموالهم فأمر هم اللّٰه أن ينفقون فی مغازيهم فی سبيل اللّٰه و (٢٠٢/٢) عن الضحاك قال: التهلكة أن يمسک الرجل نفسه وماله عن النفقة فی الجهاد فی سبيل اللّٰه.

اس سب سے معلوم ہوگیا کہ آیت کا اصل اور سب سے پہلا محل تو یہی ہے باقی اس کے عموم میں دیگر نفقات واجبہ بھی شامل ہو جائیں تو کچھ مستبعد نہیں جیسا کہ دیگر بعض مفسرین کی رائے ہے۔

مفتی صاحب سے معلوم یہ کرنا ہے کہ ان دلائل کے ہوتے ہوئے بھی مذکورہ تفسیر کو تفسیر بالرائے قرار دینا درست ہے؟ اوراس کو بنیاد بنا کر حضرت موصوف کو مطعون ومعتوب بنانے کی اجازت ہے؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

المستفتی:

(مفتی) محمد سلیمان قاسمی ناہل ضلع غازی آباد

☆☆☆